تصدیق
جلد ۰۲ شمارہ ۰۵، ۲۰۲۳

Article

The Sources of Literary Research

ادبی تحقیق کے مآخذ

Dr. Irfan Pasha*[1]

[1] Assistant Professor, Deptartment of Urdu, Division of Islamic and Oriental Learning University of Education, Lahore

*Correspondence: irfan.ahsan@ue.edu.pk

ڈاکٹر عرفان پاشا [1]

[1] اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، ڈویژن آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

ABSTRACT: The Sources are very important and basic needs of a researcher in any walk of life. In literary research, it becomes more important to find authentic and reliable sources to generate concrete results. There are two major types of sources employing authenticity i.e. primary sources and secondary sources. There are two more types, commonly unknown to the mobs, which are by the nature of the sources; and these are direct and indirect sources respectively. This article is focused on the point that during the process of literary research, a research scholar has to use what sort of sources and what is their level of authenticity. Moreover, it is also mentioned that what is the importance of sources in literary research and in its proceedings to find concrete results.

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/v73pe238
Received:23-12-2023
Accepted:31-12-2023
Online:31-12-2023

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

KEYWORDS: Literary Research, Sources, Primary Source, Secondary Source, Reference, Bibliography, Endnote, Footnote

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

ماخذات کے بغیر تحقیقی کا سفر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہر محقق کو اپنی تحقیق کو ٹھوس اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے دلائل و براہین کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دلائل اس نے کن ذرائع دے حاصل کے ے ہوتے ہیں ان ہی ذرائع کو ماخذ کہا جاتا ہے۔ "ماخذ" در حقیقت عربی الاصل لفظ ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق "اخ ذ" ہے۔ ترقی ئاردو بورڈ کی شائع کردہ لغت کے مطابق ماخذ سے مراد ہے منبع، سرچشمہ ،مادہ، بنے اد ،اصل، مرکز، اخذ کرنے کی جگہ، وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز اخذ کی جائے۔]ا[یعنی اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے آپ چیزیں حاصل کرتے ہیں، یا جہاں پر چیزیں تقسیم ہوتی ہیں۔ ماخذ کی جمع عربی میں "آخذ" اور اردو میں آخذ اور "ماخذات" دونوں مستعمل ہیں۔

"آخذ کا اطلاق ان ذرائع پر ہوتا ہے جن سے کسی بھی زیر تحقیق موضوع کی تکمیل کے لیے مواد اخذ کیا جاتا ہے۔ آخذ کو مصادر یا منابع یا مراجع بھی کہتے ہیں۔"(۲)

اصطلاح میں یا ادبی تحقیق میں ماخذات سے مراد وہ کتابیں رسائل، آثار قدیمہ، سمعی و بصری، الیکٹرونی اور دیگر ذرائع ہیں جن سے ادبی محقق اپنی تحقیق کا بنیادی مواد حاصل کرتا ہے۔ دوسری صورت میں اپنے استخراج کردہ نتائج کو درست ثابت کرنے کے لیے بھی وہ ان ماخذات کو حوالے کے طور پر لاتا ہے۔ ادبی محقق کو ادب کے ساتھ ساتھ تہذیب، ثقافت اور سے است کی تاریخ بھی ملحوظ رکھنا ہوتی ہے، اس لے ے اس کے ماخذات کی حدود بہت وسیع ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا کہنا ہے کہ ادبی مورخ کے لیے "ہر چیز "ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ فرق صرف اس بات سے پڑتا ہے کہ آپ کن ماخذات تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔"(۳)

ادبی تحقیق میں ماخذات کا اندراج بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ محقق کو ان تمام ذرائع اور مصادر و منابع کے بارے میں بتانا پڑتا ہے کہ اس نے یہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ جب تک وہ ماخذات کے بارے میں نہیں بتائے گا اس وقت تک اس کی محنت اور مشقت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو گا اور نہ ہی اس کی بات معتبر سمجھی جائے گی۔ ماخذات ہی سے اس کے کام کی قدر و قیمت کا ادراک ہوتا ہے۔ ماخذات کو دیکھ کر ہمیں محقق کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس نے تحقیق کے لیے کون کون سے در کھٹکھٹائے ہیں اور کن کن چشموں سے فیضان حاصل کیا ہے، اس نے کس قدر مطالعہ کیا ہے اور کس دقت نظری کے ساتھ تاریخ ادب کی اور ادیب کی اصل جڑوں تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ جس قدر اہم اور بنیادی ماخذات استعمال کیے جائیں اسی قدر ادبی تحقیق کی اہمیت بڑھے گی اور اس کے نتائج کو زیادہ معتبر سمجھا جائے گا اور وہی بطور حوالہ استعمال ہونے کے قابل ہو گی۔

ادبی تحقیق کے قابل قدر بننے میں اس کے ماخذات سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس میں شامل روایات کے اعتبار اور اس سے نکلنے والے نتائج کا تعین بھی ماخذات کے حوالے سے ہی ہوتا ہے۔ اگر ادبی تحقیق کے ماخذات غیر ثقہ راویوں سے ماخوذ ہوں تو اس کا درجہ استناد غیر معتبر ہو جاتا ہے۔ جس قدر اصل، معتبر اور بنے ادی ماخذات سے رجوع کیا جائے گا ادبی تحقیق کا پایہ اسی قدر بلند ہو گا۔ جب محقق اپنی تحقیق کے ساتھ اس کے ماخذ کا حوالہ دیتا ہے اور ہمیں بتا دیتا ہے کہ اس نے وہ بات کہاں سے لی ہے تو اس کی بات کو متبادل ثبوت کی بغیر رد نہیں کیا جا سکتا۔[۴]

ماخذات میں وہ تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب، رسائل وجرائد، تحریری، تصویری، سمعی وبصری اور دیگر ذرائع شامل ہیں جن سے ایک محقق دوران تحقیق کا کام لیتا ہے اور اپنی تحقیق کو مستند بناتا ہے۔ دیگر ذرائع میں سکے، مجسمے، تصاویر، عمارتیں اور ان کی تختیاں، الواح قبور، شاہی فرامین، نوادرات اور دیگر آثار قدیمہ شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی لکھتے ہیں کہ:

"قلمی کتابوں سے لیے گئے اقتباسات اور حوالے (مواد کے سلسلے میں) اسکالر کے لیے اساسی اور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ اقتباسات اور حوالہ جات ہیں جن پر اعتراض کی انگلیاں نہیں اٹھائی جاسکتیں۔"(۵)

ادبی محقق اور مورخ بیک وقت تحقیق اور تنقید کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ "ادبی مورخ کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ ادبی تاریخ کے ارتقائی عمل میں ماضی کے ادبی ذخائر کا جائزہ لیتا ہے مگر اس کا کام صرف جائزہ لینے کی حد تک محدود نہیں۔ اس کا بنے ادی کام ادبی ذخائر کی قدر و قیمت کا تعین کرنا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک ادبی محقق کا کام ماضی کے ذخائر کو دریافت کرنا، حقائق، واقعات اور سوانح کی صحت کو جانچنا ہے، ماضی کے تسامحات دور کرنا، مختلف افراد سے منسوب غلط روایات کی تردید کرنا اور تحقیقی کام میں درست حقائق کو سامنے لانا ہے۔ اس لحاظ سے ادبی مورخ کو ادبی محقق بھی ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اعلیٰ درجے کی تنقیدی بصیرت کا مالک بھی ہونا چاہیے۔ ادبی مورخ میں اگر تنقیدی بصیرت نہ ہو گی تو وہ ادبی مورخ کا کردار ادا نہ کر سکے گا"][۶] ماخذات کسی بھی تحقیقی کام میں بنیادی حوالے کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ ادبی تاریخ میں ان ماخذات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ماخذات کے بغیر تاریخ نگاری کا کام بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

ماخذات کی اقسام

درجہ ئ استناد کے لحاظ سے ماخذات کی دو اقسام ہیں:

۱) بنیادی ماخذات (Primary Sources)

۲) ثانوی ماخذات (Secondary Sources)

بنیادی ماخذات

"بنیادی ماخذ یا مصدر ایسی دستاویز ہے جس کا تعلق براہ راست مصنف سے ہو یعنی اس نے خود لکھی یا اس کے تجربے اور مشاہدے میں شعوری طور پر آئی ہو"(۷) بنیادی ماخذات سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے ادبی محقق براہ راست استفادہ کرتا ہے یعنی اس نے ان ذرائع کو بچشم خویش دیکھا ہے اور وہ کتاب یا مخطوطہ خود اس کے مشاہدے میں آیا ہے۔ مثلاً ایک دستاویز اگر پنجاب آرکائیوز میں پڑی ہے اور ایک محقق اسے خود دیکھتا ہے تو اس کے لیے وہ ابتدائی ماخذ ہو گا۔ لیکن اس کی معلومات پر مبنی مضمون سے اگر کوئی دوسرا شخص استفادہ کرتا ہے تو اس کے لیے وہ ثانوی ماخذ ہو گا۔(۸)

بنیادی ماخذات وہ ذرائع ہیں جن کے براہ راست مطالعے اور مشاہدے سے محقق اپنے نقطہ نظر کے مطابق نتائج نکالتا اور جہاں ضرورت پڑے وہاں پہلے سے قائم نظریات کو باطل بھی قرار دیتا ہے۔ کتابی تحقیق میں وہ کتابیں جو مصنف نے خود پڑھی ہوتی ہیں اور ان کو بطور حوالہ استعمال کیا ہے وہ بھی بنیادی ماخذ کہلاتی ہیں۔ ادبی محقق ان ماخذات کا حوالہ بھی دیتا ہے اور جہاں سے بھی اس نے کوئی نظریہ یا دیگر معلومات لی ہو، اس کے بارے میں بتاتا ہے۔ محقق ادب اپنے بنیادی ماخذات سے حوالے کے طور پر اقتباسات بھی پیش کرتا ہے تاکہ اس کا دعوی زیادہ قابل اعتماد اور معتبر ہو سکے۔ ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی کی رائے ملاحظہ کیجئے:

> "قدیم ترین قلمی نسخے خصوصاً وہ مخطوطہ جو مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو، اس کا تصحیح کردہ ہو یا اس کا دستخط شدہ ہو مستند اور بنیادی (ماخذ) تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے کالعدم ہونے کی صورت میں جو نسخہ (قلمی مخطوطہ) مصنف کے عہد سے قریب تر ہو یا اس کے عہد کے قلمی نسخہ سے قریب تر ہو، زیادہ معتبر متصور ہو گا اور بنیاد بنایا جائے گا"(۹)

بنیادی یا اولین ماخذات کی چھان پھٹک بھی ضروری ہے، ان کو بھی اندھا دھند استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی ماخذات کے استعمال کے سلسلے میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب ایک سے زیادہ ایڈیشن موجود ہوں تو ان میں سے کس کو بنیادی ماخذ تسلیم کیا جائے یہ بہت نازک مرحلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ترجمہ کیا گیا ہے تو اصل کتاب (بزبان دیگر) اور ترجمے میں سے کس کو فوقیت دی جائے، یہ بہت اہم معاملہ ہے۔ اس کے تعین کے لیے جہاں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تحقیقی ذہن اور تاریخی سوجھ بوجھ بھی بہت کام آتی ہے۔ رشید حسن خاں تو اس حوالے سے ذرا بھی تامل اور تساہل کی گنجائش کے حق میں نہیں، وہ کہتے ہیں:

> "حوالے کا قابل قبول ہونا متعدد باتوں پر منحصر ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ واقعے اور روایت کے درمیان ایسا زمانی فصل نہ ہو کہ روایت کا تسلسل ٹوٹ جائے۔ روایت اگر ذاتی معلومات پر مبنی ہے اور راوی غیر معتبر بھی نہیں؛ اس صورت میں امکان کی حد تک یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ غلط فہمی جانب داری یا ایسے ہی کسی محرک کے اثرات تو کارفرما نہیں رہے ہیں۔ راوی اگر موخر ہے تو ضروری ہے کہ روایت ایسے ماخذ پر مبنی ہو جس کو اولین ماخذ کہا جا سکے۔ مثلاً اگر کوئی شخص شیفتہ کے تذکرے "گلشن بے خار" کا حوالہ دے اور اصل فارسی نسخے کی بجائے اس کے ترجمے سے کام لے تو اس ترجمے کو ثانوی ماخذ کے ذیل میں رکھا جائے گا۔"(۱۰)

رشید حسن خاں کسی کتاب کے متعدد ایڈیشنوں میں سے اس ایڈیشن کو اولیت دیتے ہیں جس میں الحاقی کلام موجود نہ ہو۔ یا پھر اس میں الحاقی کلام کے موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ جس نسخے میں الحاقی کلام کا ثبوت مل جائے وہ غیر معتبر بن جاتا ہے اور اگر

اس کے مقابلے میں الحاقی کلام سے پاک نسخہ میسر ہو تو وہ بنیادی ماخذ کہلائے گا اور اسی کو ترجیح دی جائے گی۔ اس طرح الحاقی کلام والا نسخہ مسترد کر دیا جائے گا۔ اس حوالے سے رشید حسن خاں کی رائے ملاحظہ کیجیے:

> "اب یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کلیات سوداؔ کے مصطفائی اور نول کشوری اڈیشنوں میں الحاقی کلام موجود ہے، یہ بات بھی معلوم ہے کہ کلیات سوداؔ کا وہ خطی نسخہ جو انڈیا آفس لندن کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور جسے "نسخہ عجائبنس" کہا جاتا ہے؛ وہ الحاقی کلام سے پاک ہے؛ ان وجوہ سے کلام سودا کے لیے نسخہ عجائبنس کو کو معتبر سمجھا جائے گا اور اس کے مقابلے میں مصطفائی اور نول کشوری اڈیشنوں کو غیر معتبر ماخذ کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔ اس کے برخلاف کلیات میرؔ مرتبہ عبدالباری آسیؔ کی متعلق اب تک ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی جس سے یہ کہا جا سکے کہ مطبوعہ کلیات سوداؔ کی طرح اس میں بھی الحاقی کلام موجود ہے؛ اس لیے جب تک "کلیات میرؔ" کا کوئی ایسا نسخہ سامنے نہ آئے جو اصول تدوین کے مطابق مرتب کیا گیا ہو؛ اس وقت تک صحت انتساب اور صحت متن کے سلسلے میں نسخۂ آسی کو حوالے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔"(۱۱)

ثانوی ماخذات

ثانوی ماخذات سے مراد وہ کتابیں، تحریریں اور دیگر ذرائع علم ہیں جن سے ادبی محقق بالواسطہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ "ثانوی ماخذ یا مصدر اشخاص اور واقعات کے بارے میں وہ تحریریں جو ایسے لوگوں نے لکھیں جن کا تجربہ یا مشاہدہ بنے ادنہ بنا۔ گویا کوئی بھی واقعہ ان کا دیکھا سنا نہیں ہوتا۔ یہ لوگ چشم دید گواہ کا درجہ نہیں رکھتے۔"]۱۲[زمانی اور مکانی دوری کے باعث ان ماخذات تک محقق کی براہ راست رسائی نہیں ہوتی۔ محقق ان ماخذات کے حوالے دیگر ذرائع سے حاصل کرتا ہے اور انہیں اپنی تحقیق کا حصہ بناتا ہے۔ ثانوی ماخذات کے استعمال میں کئی قباحتیں ہوتی ہیں جن کی طرف رشید حسن خاں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

> "تاریخ ادب کی کتابیں، لغات، انتخابات، نصابی کتابیں، ان کتابوں میں اور ان جیسی کتابوں میں قدیم و جدید شاعروں کا کلام اور نثر کے اجزا محفوظ ہیں۔ چوں کہ یہ معلوم ہے کہ ایسی کتابوں میں نقل در نقل سے کام لیا گیا ہے اور یہ بھی کہ عام طور پر ایسے مجموعوں میں باحتیاطیوں کی کار فرمائی پائی جاتی ہے اور ان کے مرتبین نے تحقیق اور تدوین کے اصولوں کی پابندی نہیں کی، اس لئے صحت انتساب اور صحت متن کی حد تک ان کو معتبر ماخذ کی حیثیت حاصل نہیں ہو گی۔ یوں بھی ایسی کتابوں کی حیثیت ثانوی ماخذ کی ہوا کرتی ہے۔"(۱۳)

بعض صورتوں میں کسی محقق کے لیے اصل ماخذ تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی محقق پاکستان میں ہے لیکن وہ خطی نسخہ جس کی اسے ضرورت ہے بھارت میں ہے، محقق کے ذاتی حالات یا ملک کی سے اسی حالات اسے وہاں جانے کی آزادی فراہم نہیں

کرتے۔ ایسی صورت میں وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا اور نہ ہی اپنا کام چھوڑ دے گا۔ ایسے میں ثانوی ماخذات اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ ثانوی ماخذات کو کم سے کم اور انتہائی ضرورت کے تحت استعمال کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بے جا استعمال سہل پسندی پر محمول کیا جاتا ہے۔ ثانوی ماخذات کو کب استعمال کرنا چاہیے، اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی نے راقم کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

> "جس ماخذ کی آپ کو ضرورت ہے، وہ آپ کو نہیں ملا۔ اس کے حصول کے لیے آپ خط لکھتے ہیں، ٹیلی فون کرتے ہیں، لوگ جواب نہیں دیتی یا ٹال دیتے ہیں۔ اس لیے پھر آپ کو ثانوی ماخذ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جس آدمی کو میں معتبر سمجھتا ہوں کہ وہ صحیح نقل کر دے گا تو میں اس کے حوالے سے لکھ دوں گا کہ یہ قلمی نسخہ حیدر آباد دکن میں ہے اور فلاں صاحب یا کتب خانے کے پاس ہے۔ فلاں صاحب نے اسے خود دیکھا ہے اور اس کے بارے میں یہ بتایا ہے۔ یہاں مجبوری ہے کہ ثانوی ماخذ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں قلم چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔ اس طرح تو کام مکمل نہیں ہو گا۔"(۱۴)

ثانوی ماخذات محقق کے راستے کو مسدود نہیں ہونے دیتے۔ ان ماخذات کی موجودگی کی اہمیت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب بنیادی ماخذات نہیں مل رہے ہوتی یا ان تک رسائی ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں رشید حسن خاں کہتے ہیں کہ "بالواسطہ روایت پر انحصار اگر ضروری ہو تو بہت احتیاط کے ساتھ استفادہ کرنا چاہیے۔ اگر ماخذ قابل حصول ہو تو براہ راست استفادہ کرنا چاہیے اور اس کو لازم سمجھنا چاہیے۔ بالواسطہ استفادے سے آدمی بعض اوقات بے طرح مبتلائے غلط فہمی ہو جایا کرتا ہے۔"]۱۵[اس کے باوجود محققین ادب ثانوی ماخذات کے استعمال کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے بنیادی ماخذات تک رسائی حاصل کرنا چاہیے۔ اگر بہ امر مجبوری ثانوی ماخذات سے رجوع کیا گیا ہو تو بعد میں دستیاب ہونے پر اصل ماخذ کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنے حوالے کو اس کے مطابق بنانا چاہیے۔ اس حوالے سے خورشید رضوی رقم طراز ہیں کہ:

> "ثانوی ماخذ کے سلسلے میں ایک بات بڑی بنیادی ہے جس کا فیصلہ ہونا چاہیے، وہ یہ ہے کہ اصول تحقیق کے مطابق ثانوی حوالہ بہتر تو نہیں ہوتا محقق کا اصل فرض یہ ہے کہ جب وہ کسی ثانوی حوالہ کے ذریعے حاصل ماخذ کا سراغ لگالے وہ اصل کو واقعی پڑھ بھی لے۔"(۱۶)

ثانوی ماخذات کے استعمال کو اس لئے مستحسن نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ اصل ماخذ کو نہ دیکھنے کی وجہ سے اس میں راہ پا جانے والی غلطیاں، سہوِ کتابت، الحاقی کلام مثلاً َمرتب کی تشریح وغیرہ اصل متن میں شامل ہو جانے سے وہ جوں کا توں نقل ہو جاتا ہے اور اس میں

شامل غلطیاں اور غیر ضروری اور غیر اصل مواد پھیل جاتا(Multiply) ہے۔ اگر اصل اور بنیادی ماخذ کو دیکھا گیا ہو تو اس بات کا امکان کم سے کم رہ جاتا ہے اور اس کا استشہادی رتبہ بھی برھ جاتا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر پریشان خٹک کہتے ہیں کہ

"ثانوی ماخذ سے اصل ماخذ کا حوالہ دینے میں اور تجربے میں بلکہ مشاہدے میں سے یہ بات آئی ہے کہ اگر ثانوی اور اصل ماخذ میں ذرا بھی اختلاف ہو جائے اور ہم وہی حوالہ دہراتے رہیں تو ہماری ساری تحقیق کا صرف ایک لفظ سے بھانڈا پھوٹ جائے گا"(۱۷)

ماخذات کی اقسام بلحاظ نوعیت

نوعیت کے لحاظ سے ماخذات کی دو قسمیں ہیں:

۱)راست ماخذات

۲)بالواسطہ ماخذات

راست ماخذات

راست ماخذات سے مراد وہ ماخذات ہیں جن سے تحقیق میں در حقیقت مواد لیا جاتا ہے۔ ان کو ظاہری ماخذات بھی کہا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ وہ ماخذات ہیں جو ظاہری طور پر موجود ہیں اور ان کے حوالے جابجا محقق اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اور ان کا وجود کسی نہ کسی مادی صورت مثلاً کتاب، لوحِ سنگین، چمڑے پر لکھی تحریر، دھاتی پلیٹ یا کسی اور شکل میں موجود ہے اور اس کی نقل یا عکس حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ادبی ماخذات کی مجسم صورت ہیں۔ راست ماخذات میں بنیادی اور ثانوی ماخذ دونوں شامل ہوتے ہیں کیوں کہ بہر حال دونوں طرح کے ماخذات کا دستاویزی ثبوت موجود ہوتا ہے اور ان سے کسی نہ کسی صورت رجوع کیا جا سکتا ہے اور ان کی غلطی اور درستی کا بھی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ ماخذات چونکہ مجسم صورت میں موجود ہوتے ہیں اس لیے ان میں مکمل طور پر قطعیت ہوتی ہے اس لیے زیادہ تر ان سے ہی اخذ و استفادہ اور استنباط کیا جاتا ہے۔

بالواسطہ ماخذات

بالواسطہ ماخذات سے مراد وہ ماخذات ہیں جو ظاہری صورت میں موجود تو نہیں ہیں لیکن مختلف ادوار میں ادب کو کروٹیں دینی میں ان کا نہایت اہم کردار ہوتا ہے اور ادبی محقق ان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یہ ماخذات کی مجرد صورت ہے اور اس میں مکمل طور پر قطعیت نہیں ہوتی لیکن ان سے بھی اخذ و استفادہ اور استنباط کیا جاتا ہے۔ بالواسطہ ماخذات میں زبانی تاریخ، روایات، سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے واقعات، اساطیر اور تہذیب اور کلچر کو متاثر کرنے والے تمام مقامی اور بیرونی محرکات شامل ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب "اردو شاعری کا مزاج" میں لکھتے ہیں کہ برصغیر میں گیت کی صنف اس وقت پیدا ہوئی جب افریشائی تہذیب کے جمود کو آریاؤں نے توڑا۔ اس کے بعد جب ہند آریائی تہذیب جمود کا شکار ہوئی تو اس جمود کو مسلمانوں کی آمد نے توڑا جس کے نتیجے میں غزل کی صنف وجود میں

آئی۔اسی طرح جب ہند اسلامی تہذیب کا جمود انگریزوں کے ہاتھوں ٹوٹا تو ہمارے ادب میں نظم کی صنف نے ورود کیا۔(۱۸)اس بات کا ہمارے پاس کوئی دستاویزی ثبوت نہیں کہ آیا واقعی ایسا ہوا تھا مگر اس کے باوجود اس بات سے قطعی انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ادبی محقق ایسی روایات سے بھی پوری طرح استفادہ کرتا ہے۔اس لیے ان بالواسطہ ماخذات کی اپنے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اپنی اہمیت ہے۔

عین الحق فرید کوٹی نے اپنی کتاب "اردو زبان کی قدیم تاریخ" میں اردو زبان کے ڈانڈی دراوڑی زبان اور تہذیب سے ملائے ہیں۔(۱۷)دراوڑی عہد کی زبان کا ہمارے پاس کوئی زندہ ثبوت موجود نہیں بلکہ اس دور کی زبان کے جو نمونے پتھروں اور دھاتوں وغیرہ پر کندہ شدہ ملے ہیں ابھی ان کو بھی ڈی صائیفر نہیں کیا جاسکا لیکن اس دور کی باقیات کی مدد سے کئی چیزیں فرض (Assume) کرلی گئی ہیں جن کو اب مسلم ہی سمجھا جاتا ہے۔اگرچہ اردو زبان کی ابتدا دراوڑی سے ہونے کا کوئی قطعی ثبوت تو ہمارے پاس موجود نہیں لیکن ان روایات پر ایک پوری عمارت کھڑی ہے اور اس طرح اس کا تعلق زبانی تاریخ سے جڑ جاتا ہے۔ادبی محقق کے لیے خاص طور پر جب وہ ادب کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی تحقیق کر رہا ہو،ان سے قطع نظر کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ وہ زبان کی ابتدا کے بارے میں کسی نظریے کا ذکر بالکل گول کر جائے۔اسی وجہ سے بالواسطہ ماخذات کی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے۔

ماخذات کی اہمیت

تحقیق میں سب سے اہم چیز وہ ماخذات ہوتے ہیں جن سے ایک محقق استفادہ کرتا ہے۔ تحقیق کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی اس کے ماخذات دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ تحقیق میں دعوے سند کے بغیر قبول نہیں ہوتے اور سند کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابل اعتماد ہو"]۲۰[صرف اسی بات کو مستند اور تحقیق کے معیار پر پورا اترنے والی تسلیم کیا جاتا ہے جس کے ماخذات مستند ہوں۔اردو میں ادبی تحقیق میں ماخذات کی نشان دہی کرنے کا سلسلہ حافظ محمود شیرانی نے شروع کیا تاکہ اس عمل کو سائنسی انداز میں پیش کیا جاسکے۔ادبی تاریخ چونکہ تحقیقی نوعیت کی حامل ہوتی ہے اس لیے اکثر ادبی مؤرخین نے بھی اپنے ماخذات کی نشان دہی کر دی ہے۔

ماخذات کی تفصیلات فراہم کرنا صدیوں سے تدوین حدیث کا ایک رہنما اصول رہا ہے اور صحیح حدیث کا معیار ہی یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس کے تمام راویوں (ماخذات) کی نشاندہی کی جائے۔اگر ایک بھی راوی نہ ملے اور روایت کا یہ سلسلہ ٹوٹ جائے تو ایسی حدیث کو مستند نہیں سمجھا جاتا۔اسی طرح اگر ادبی تحقیق میں محقق اپنے مصادر منابع کی نشان دہی نہیں کرتا تو اس کے پیش کی گئی دعووں یا نتائج کو تسلیم کرنے میں تامل کیا جائے گا۔اس کے نتائج مستند اور معروضی نہیں ہوں گے بلکہ وہ اس کی ذاتی رائے خیال کی جائے گی۔ماخذات کے بغیر اس کے تخلیقی کارناموں اور صلاحیتوں کا اندازہ اور اس کی محنت اور عرق ریزی کا اعتبار نہیں ہوسکے گا۔اور جس تحقیق میں یا کسی بھی تحقیقی کام میں زیادہ سے زیادہ ماخذات استعمال کئے گئے ہوں گے اور ان کے بارے میں بھی بتایا جائے گا وہی معتبر ٹھہرے گی۔ آپ کو نظریاتی اختلاف کے باوجود بھی اس کی اہمیت تسلیم کرنا ہوگی۔(۲۱)

تحقیق میں ماخذ کے بغیر کیا جانے والا کوئی دعویٰ یا پیش کیا جانے والا بیان اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک اس کے ماخذ کی نشان دہی نہ کی جائے کیوں کہ جب تک ماخذ کا حوالہ نہیں دیا جاتا وہ دعویٰ یا بیان محض مصنف کی ذاتی رائے تک محدود ہوتا ہے لیکن جب ماخذ کا حوالہ دے اجاتا ہے تو گویا اس بات کی سند بھی پیش کر دی جاتی ہے۔ اس طرح بات زیادہ وقیع اور مدلل ہو جاتی ہے اور اس کو تسلیم کرنے بے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ اس لیے ماخذات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جمیل الدین عالی نے راقم کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

> "ماخذات کے بغیر اگر کوئی آدمی بات کرتا ہے تو وہ محض اس کا بیان رہ جاتا ہی یا اس کے ذاتی تاثرات ہوں گے اور ان کی کوئی سند نہیں ہو گی۔ لیکن اگر وہ ماخذات بتائے گا کہ اس کے ہاں کون کون سی چیز کہاں کہاں سے آئی ہے اور فلاں نے یہ بات کی ہے تو پتا ہو گا کہ یہ بات کہاں سے آئی ہے۔ اس کا تجزیہ کرنا آسان ہو گا اور آدمی ٹھنڈے دل سے اس کے بارے میں سوچے گا۔"(۲۲)

تحقیق کے ماخذات بہت زیادہ ہیں اور ادبی تحقیق چوں کہ معاشرے، تہذیب اور تاریخ کو ادب کے ساتھ لے کر چلتی ہے اس لیے اس کے حدود اور بھی وسیع ہو جاتی ہیں۔ "ماخذات کی دنیا بہت وسیع ہے اور اس کے امکانات کی کوئی حد نہیں۔ ہر چیز جس کا تعلق اانسان، معاشرے اور ایک بڑے منظر نامے میں دیکھیں تو ادب کے ساتھ ہے وہ ادبی تاریخ کا ماخذ بن سکتی ہے۔(۲۳)

> "کتاب یا مسودے کے مآخذ کی فہرست سے قاری کو مواد کے استناد، اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔"(۲۴)

ماخذات کی نشان دہی کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ آئندہ محققین کو اس سے اپنی راہیں ڈھونڈنے میں آسانی ہوتی ہے اوران ماخذات کو اپنا راہ نما بنا کر مزید تحقیق کی طرف قدم اٹھاتے ہیں۔ ان ماخذات کے ذریعے ہی قدیم معلومات اور روایات کی دریافت ممکن ہے۔ اگر ماخذات تک نئے محققین کی رسائی نہ ہو تو ان کو پھر اتنے ہی ہفت خوان طے کرنے پڑتے ہیں جتنے کہ پہلے محققین نے طے کئے تھے اور اس طرح تحقیق کا عمل آگے بڑھنے کی بجائے اسی دائرے میں گھومتا رہتا ہے اور نئے محققین کی صلاحیتیں بھی اسی کام میں صرف ہو جاتی ہیں جو پہلے سے ہو چکا ہوتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو ماخذات کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور ان کے بغیر نہ تو کسی تحقیقی کام کا تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ادبی تاریخ کا لکھا جانا ممکن ہو سکتا ہے۔(۲۵)

حوالہ جات

۱۔ اردو لغت؛ جلد ہفت دہم؛ ترقی اُردو بورڈ؛ کراچی؛ ۲۰۰۰ئ؛ ص ۱۳۹

۲۔ عبدالحمید خان عباسی؛ اصول تحقیق؛ نیشنل بک فاؤنڈیشن؛ اسلام آباد؛ ۲۰۰۳ئ؛ ص ۱۴۸

۳۔ ڈاکٹر جمیل جالبی سے راقم کی گفتگو مورخہ ۵ فروری ۲۰۰۸ئ، کراچی

۴۔ عرفان پاشا؛ ادبی تاریخ کے ماخذات؛ اظہار سنز؛ لاہور؛ ۲۰۱۳؛ ص ۲۰

۵۔ نورالاسلام، ڈاکٹر صدیقی؛ ریسرچ کیسے کریں؛ شاد پبلی کیشنز؛ نئی دہلی؛ ۱۹۹۰ئ؛ ص ۶۰

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر؛ اردو ادب کی تاریخ؛ سنگ میل پبلی کیشنز؛ لاہور؛ ۲۰۰۳ئ؛ ص ۱۱

۷۔ محمد عارف، پروفیسر؛ تحقیقی مقالہ نگاری؛ ادارہ تالیف ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی؛ لاہور؛ ۱۹۹۴ئ؛ ص ۱۸۲

۸۔ عرفان پاشا؛ ادبی تاریخ کے ماخذات؛ اظہار سنز؛ لاہور؛ ص ۱۳

۹۔ ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی: ریسرچ کیسے کریں؛ شاد پبلی کیشنز؛ نئی دہلی؛ ۱۹۹۰ئ؛ ص ۶۱

۱۰۔ رشید حسن خاں؛ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ؛ الفیصل؛ لاہور؛ ۲۰۰۳ئ؛ ص ۱۶

۱۱۔ رشید حسن خاں؛ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ؛ الفیصل؛ لاہور؛ ۲۰۰۳ئ؛ ص ۱۷

۱۲۔ محمد عارف، پروفیسر؛ تحقیقی مقالہ نگاری؛ ادارہ تالیف ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی؛ لاہور؛ ۱۹۹۴ئ؛ ص ۱۸۲

۱۳۔ رشے د حسن خاں؛ ادبی تحقے ق، مسائل اور تجزیہ؛ الفیصل؛ لاہور؛ ۲۰۰۳ء ص ۱۷

۱۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی سے راقم کی گفتگو؛ مورخہ ۵ فروری ۲۰۰۸ء، کراچی

۱۵۔ رشید حسن خاں؛ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ؛ الفیصل؛ لاہور؛ ۲۰۰۳ئ؛ ص ۱۱

۱۶۔ اعجاز راہی؛ سیمینار اصول تحقیق؛ مقتدرہ قومی زبان؛ اسلام آباد؛ ۱۹۸۶ئ؛ ص ۷۸-۷۹

۱۷۔ اعجاز راہی؛ سیمینار اصول تحقیق؛ مقتدرہ قومی زبان؛ اسلام آباد؛ ۱۹۸۶ئ؛ ص ۷۶

۱۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر وزیر آغا؛ اردو شاعری کا مزاج؛ لاہور؛ مکتبہ عالیہ؛ ۱۹۹۳ئ،

۱۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، عین الحق فرید کوٹی؛ اردو زبان کی قدیم تاریخ؛ ارسلان پبلی کیشنز؛ لاہور؛ ۱۹۷۲ئ

۲۰۔ رشید حسن خاں؛ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ؛ الفیصل؛ لاہور؛ ۲۰۰۳ئ؛ ص ۱۰

۲۱۔ عرفان پاشا؛ ادبی تاریخ کے ماخذات؛ اظہار سنز؛ لاہور؛ ص ۱۹

۲۲۔ جمیل الدین عالی سے راقم کی گفتگو؛ مورخہ ۸ فروری ۲۰۰۸ء، کراچی

۲۳۔ڈاکٹر سلیم اختر سے راقم کی گفتگو؛مورخہ ۲۲اگست۲۰۰۸ئ،لاہور
۲۴۔رفاقت علی شاہد،مرتب؛تحقیق شناسی؛القمر انٹر پرائزز؛لاہور؛۲۰۰۳ئ؛ص ۱۷۲
۲۵۔عرفان پاشا؛ادبی تاریخ کے ماخذات؛اظہار سنز؛لاہور؛ص ۲۰

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk